ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

امدادِ باہمی کے معاصر تصورات اور رجحانات: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک اطلاقی مطالعہ (پاکستانی تناظر میں)

Contemporary Concepts and Trends of Mutual Assistance (Imdad-e-Bahami): An Applied Study in the Light of Seerah of Prophet Muhammad ﷺ with Special Reference to Pakistan

Syed Muhammad Najam-ul-Qosain
PhD Scholar (Islamic Studies), NCBA&E, Lahore - Sub campus, Multan
qosainshah7@gmail.com

Dr. Hafiz Muhammad Hassan Mahmood
Lecturer in Islamic Studies, University of Education, Lahore (Vehari Campus)
hassan.mahmood@ue.edu.pk

Abstract
This research undertakes a rigorous analytical inquiry into the contemporary applicability of *Imdad-e-Bahami* (mutual assistance), utilizing a framework derived from the *Seerah* of Prophet Muhammad (PBUH). In the current socio-economic landscape of Pakistan marked by widening wealth disparities, systemic fragility in welfare provisions, and a discernible erosion of communal responsibility there is an urgent imperative to rediscover value-driven paradigms of social cooperation. Employing a qualitative and hermeneutic methodology, this study investigates how the Prophetic model specifically through the strategic institution of *Mu'akhāt* (brotherhood), the ethics of distributive justice, and organized philanthropic mechanisms provides a robust and scalable blueprint for social resilience. By synthesizing primary scriptural sources (the Qur'an and Hadith) with classical *Seerah* literature, the research bridges the gap between historical precedent and contemporary discourses on community development. The findings elucidate that the *Seerah* offers more than mere ethical exhortations; it presents an institutional architecture capable of addressing modern structural inequities. The study argues that integrating these Prophetic principles into Pakistan's social policy and grassroots community structures can significantly catalyze social cohesion and ensure a more equitable resource distribution. Concluding with a set of policy-oriented recommendations, the research advocates for a systematic institutionalization of mutual assistance, effectively aligning traditional Islamic imperatives with the exigencies of modern developmental goals.

Keywords: Mutual Assistance, Seerah-based Welfare, Mu'akhāt, Social Cohesion, Pakistan's Socio-economic Challenges, Distributive Justice, Community Development, Institutional Reform.

مقدمہ

عصرِ حاضر میں انسانی معاشرہ ایک متضاد صورتِ حال سے دوچار ہے جہاں ایک طرف مادی ترقی اپنی بلند ترین سطحوں کو چھو رہی ہے، وہیں دوسری جانب غربت، بے روزگاری، معاشی ناہمواری اور سماجی بے حسی جیسے مسائل مسلسل گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورتِ حال خاص طور پر پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں زیادہ شدت کے ساتھ سامنے آتی ہے، جہاں ریاستی فلاحی نظام اپنی ساختی حدود کے باعث ہر ضرورت مند تک مؤثر انداز میں رسائی حاصل نہیں کر پاتا۔ اس خلا کے نتیجے میں معاشرتی سطح پر ایک ایسے متوازن اور منظم نظام کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے جو نہ صرف فوری ضروریات کا ازالہ کرے بلکہ پائیدار سماجی استحکام بھی فراہم کر سکے۔

اسی پس منظر میں امدادِ باہمی کا تصور محض ایک اخلاقی تلقین کے بجائے ایک ناگزیر سماجی ضرورت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں یہ تصور کسی ثانوی درجے کا نہیں بلکہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جس کی جڑیں قرآنِ مجید اور سیرتِ نبوی ﷺ دونوں میں واضح طور پر موجود ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾[1] (نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو)

یہ ہدایت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ انسانی معاشرت کی اصل بنیاد باہمی تعاون اور تقویٰ پر قائم ہونی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قرآنی اصول کو مدینہ منورہ میں ایک عملی اور منظم صورت عطا کی، جہاں امدادِ باہمی کو انفرادی سطح سے اٹھا کر ایک اجتماعی نظام میں ڈھالا گیا۔ مؤاخاتِ مدینہ، زکوٰۃ و صدقات کا نظم، اور اجتماعی ذمہ داری کا شعور — یہ سب ایسے عناصر ہیں جنہوں نے ایک منتشر معاشرے کو ایک مربوط اور مستحکم ریاست میں تبدیل کر دیا۔

زیرِ نظر تحقیق اسی بنیاد پر یہ سوال اٹھاتی ہے کہ آیا سیرتِ نبوی ﷺ میں موجود امدادِ باہمی کے اصولوں کو عصرِ حاضر، خصوصاً پاکستانی معاشرے میں ایک مؤثر سماجی و معاشی نظام کے طور پر نافذ کیا جا سکتا ہے؟ اس تحقیق کا مقصد محض نظری بحث تک محدود نہیں بلکہ ایک اطلاقی ماڈل پیش کرنا ہے جو معاصر مسائل کے حل میں عملی رہنمائی فراہم کر سکے۔

ادبی جائزہ :(Literature Review) علمی خلا اور معاصر تناظر

امدادِ باہمی کے تصور پر اسلامی اور عمرانی روایت میں متنوع جہات سے بحث ملتی ہے، تاہم ان مباحث کا تقابلی جائزہ ایک اہم علمی خلا کی نشاندہی کرتا ہے۔ کلاسیکی اسلامی مفکرین میں امام غزالی نے سماجی ذمہ داری کو فرد کی اخلاقی تطہیر اور تزکیہ کے تناظر میں بیان کیا، جبکہ ابن خلدون نے 'عصبیت' کے تصور کے ذریعے اجتماعی ہم آہنگی کو ریاستی استحکام کا بنیادی عنصر قرار دیا کہ جب کسی قوم میں اجتماعی تعاون کا جذبہ سرد پڑ تا ہے تو اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ معاصر اسلامی معاشی مفکرین، جیسے محمد عمر چپرا اور مونا کہف، نے امدادِ باہمی کو زکوٰۃ، وقف اور سماجی تحفظ کے نظام کے تناظر میں جدید اقتصادی فریم ورک کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔[۲]

تاہم ان تمام مباحث میں ایک نمایاں کمی یہ ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ کو ایک مکمل اطلاقی سماجی ماڈل کے طور پر، خصوصاً پاکستانی تناظر میں، منظم انداز میں پیش نہیں کیا گیا۔ زیرِ نظر تحقیق اسی خلا کو پُر کرنے کی کوشش ہے، جہاں سیرت کے اصولوں کو محض تاریخی حوالہ کے بجائے ایک قابلِ عمل، ادارہ جاتی اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ فلاحی نظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

امدادِ باہمی: تصور، تعریف اور قرآنی بنیاد

امدادِ باہمی سے مراد افراد اور گروہوں کے درمیان ایسا باہمی تعلق ہے جس میں ہر فرد اجتماعی فلاح کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ جدید سماجی علوم میں اسے Social Solidarity یا Mutual Aid کہا جاتا ہے، تاہم اسلامی تناظر میں یہ تصور محض سماجی ضرورت نہیں بلکہ ایک دینی و اخلاقی التزام بھی ہے۔ قرآنِ مجید نے اس تصور کو محض عمومی ہدایت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی اخلاقی گہرائی کو بھی واضح کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[۳]

(اور وہ (اہلِ ایمان) اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہی کیوں نہ ہو۔)

اسی طرح سنتِ نبوی ﷺ میں اس تصور کو ایک نامیاتی وحدت (organic unity) کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، جہاں معاشرہ ایک جسم کی مانند ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضًا (ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے)[۴]۔ یہ تشبیہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ایک صحت مند معاشرہ اسی وقت وجود میں آتا ہے جب اس کے افراد ایک دوسرے کے معاون اور تقویت بخش ہوں۔ مدنی معاشرت میں ان اصولوں کو عملی شکل دیتے ہوئے ایک ایسا نظام تشکیل دیا گیا جس میں امدادِ باہمی نہ صرف فوری ضروریات کا حل فراہم کرتی ہے بلکہ وسائل کی منصفانہ گردش، سماجی شمولیت، اور معاشی استحکام کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کی عملی و ادارہ جاتی تشکیل

سیرتِ نبوی ﷺ کا امتیاز اس امر میں مضمر ہے کہ اس میں باہمی تعاون کے اصول محض اخلاقی ہدایات تک محدود نہیں رہتے بلکہ انہیں تدریج کے ساتھ ایک ایسے سماجی اور ادارہ جاتی نظم میں ڈھال دیا جاتا ہے جو معاشرتی استحکام کا ذریعہ بنتا ہے۔ مکہ کے دور میں ان اصولوں کی بنیاد اخلاقی تربیت، صبر، ایثار اور باہمی ہمدردی کے ذریعے رکھی گئی، جبکہ مدینہ میں یہی اقدار ایک منظم اجتماعی نظام کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس تدریجی ارتقاء نے امدادِ باہمی کو وقتی ردِ عمل کے بجائے ایک مستقل معاشرتی ڈھانچے میں تبدیل کر دیا۔

مدینہ منورہ میں سب سے پہلا نمایاں اقدام **مواخاتِ مدینہ** تھا، جس نے ایک منتشر اور مختلف پس منظر رکھنے والے گروہوں کو ایک مشترکہ سماجی وحدت میں تبدیل کیا۔ اس معاہدے کے تحت مہاجرین اور انصار کے درمیان ایسا تعلق قائم کیا گیا جس میں رہائش، معاش، اور سماجی تحفظ کے عناصر شامل تھے جس کے نتیجے میں امدادِ باہمی انفرادی خیر خواہی سے آگے بڑھ کر ایک اجتماعی ذمہ داری کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور مختلف طبقات کے درمیان توازن برقرار رکھا جاتا ہے، [۵]

یہ اقدام محض ہمدردی پر مبنی نہ تھا بلکہ اس میں ایک منظم حکمتِ عملی کارفرما تھی، جس کے ذریعے معاشی عدم توازن کو کم کیا گیا اور نئے آنے والے افراد کو معاشرتی ڈھانچے میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل بنایا گیا۔ اس پہلو سے مواخات کو سماجی انضمام (social integration) کی ایک مؤثر مثال قرار دیا جا سکتا ہے، جس میں امدادِ باہمی کو تعلق، شراکت اور ذمہ داری کے ساتھ جوڑا گیا۔

اس ابتدائی مرحلے کے بعد امدادِ باہمی کو مزید مستحکم کرنے کے لیے اسے ادارہ جاتی بنیادیں فراہم کی گئیں۔ زکوٰۃ اور صدقات کے نظام کو باقاعدہ اصولوں کے تحت منظم کیا گیا تاکہ وسائل کی منصفانہ تقسیم اور معاشی توازن کو یقینی بنایا جا سکے۔ قرآنِ مجید میں مستحقین کی تعیین اس امر کی دلیل ہے کہ یہ نظام اتفاقی یا غیر منظم نہیں تھا بلکہ ایک واضح معاشی حکمتِ عملی پر مبنی تھا جس کی وضاحت قرآنِ مجید نے مستحقین کی تعیین کے ذریعے یوں کی: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ...﴾[۶]

یہ آیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ امدادی وسائل کو مخصوص طبقات تک محدود کر کے ایک ایسا ڈھانچہ قائم کیا گیا جس سے وسائل کی گردش ممکن ہو اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ رہے۔ اسی ادارہ جاتی نظم کی ایک اہم توسیع **بیت المال** کے قیام میں نظر آتی ہے، جو ریاستی سطح پر فلاحی ذمہ داریوں کو منظم کرنے کا ذریعہ بنا۔ بیت المال کے ذریعے مختلف مدات میں وسائل کی تقسیم، مستحقین کی کفالت اور اجتماعی ضروریات کی تکمیل ممکن ہوئی، جس سے امدادِ باہمی کو ایک وسیع تر سماجی و معاشی نظام میں ضم کر دیا گیا۔[۷]

سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کی عملی صورتوں میں ایک نمایاں مثال اہلِ صفہ کی کفالت ہے، جو اس تصور کو محض معاشی امداد سے آگے لے جا کر تعلیمی اور تربیتی جہت سے جوڑتی ہے۔ مسجدِ نبوی کے ایک حصے میں مقیم یہ افراد معاشی طور پر کمزور تھے، مگر ان کی کفالت کو ایک ایسے نظام کے تحت انجام دیا گیا جس میں مختلف گھرانے باری باری ان کی ضروریات پوری کرتے تھے، اس انتظام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرت میں کمزور طبقات کو الگ تھلگ نہیں رکھا جاتا بلکہ انہیں ایک ایسے ماحول میں شامل کیا جاتا ہے جہاں وہ نہ صرف اپنی ضروریات پوری کر سکیں بلکہ علمی اور اخلاقی طور پر ترقی بھی کر سکیں۔[۸]

اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ امدادِ باہمی کے ایک اور زاویے کو واضح کرتی ہے، جہاں صحابہؓ اجتماعی طور پر ایک مشکل کام میں شریک ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ خود بھی اس میں عملی طور پر حصہ لیتے ہیں[۹]۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ قیادت اور عوام کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اجتماعی ذمہ داری میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں، اور یوں امدادِ باہمی ایک ہمہ گیر عمل بن جاتی ہے۔

احادیثِ نبوی ﷺ میں اس اجتماعی ذمہ داری کو ایک مستقل اخلاقی وصف کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ، مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ[10] (اللہ بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔)

جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ باہمی تعاون ایک ایسا تعلق قائم کرتا ہے جو فرد کو مسلسل اجتماعی کردار ادا کرنے پر آمادہ رکھتا ہے۔ محدثین نے اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس نوعیت کی نصوص کا مقصد معاشرے میں نفع رسانی کا عمومی رجحان پیدا کرنا ہے، تاکہ افراد اپنی ذات تک محدود نہ رہیں بلکہ دوسروں کے لیے مفید بننے کی کوشش کریں۔

اسی تناظر میں "نفع رسانی" کا تصور خاص اہمیت اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ روایات میں جس شخص کو دوسروں کے لیے زیادہ فائدہ مند قرار دیا گیا ہے، اس سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ معاشرے میں مقام و مرتبہ کا معیار محض ذاتی عبادت یا علمی حیثیت نہیں بلکہ اجتماعی فائدہ ہے۔ امام مناوی کے نزدیک نفع کا مفہوم وسیع ہے اور اس میں ہر وہ خدمت شامل ہے جو دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرے۔[11]

ان تمام عملی مثالوں سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کو ایک تدریجی اور منظم انداز میں فروغ دیا گیا، جہاں ابتدا اخلاقی شعور سے ہوئی، پھر اسے سماجی معاہدوں کے ذریعے مستحکم کیا گیا، اور بالآخر اسے ایک ادارہ جاتی نظام میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہی تدریجی ارتقاء اس تصور کو پائیداری فراہم کرتا ہے اور اسے وقتی جذبات سے بلند کر کے ایک مستقل معاشرتی ڈھانچے میں بدل دیتا ہے۔ اگر اس ماڈل کو عصرِ حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایک اہم فرق سامنے آتا ہے کہ جدید معاشروں میں امدادی سرگرمیاں اکثر وقتی اور غیر مربوط ہوتی ہیں، جبکہ سیرتِ نبوی ﷺ میں یہ عمل ایک مربوط حکمتِ عملی کے تحت انجام پاتا ہے۔ اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ امدادِ باہمی کی مؤثریت کا دارومدار صرف وسائل پر نہیں بلکہ اس کے نظم، شفافیت اور تسلسل پر بھی ہوتا ہے۔

امدادِ باہمی کے معاصر رجحانات اور چیلنجز

عصرِ حاضر میں امدادِ باہمی کے طریقوں میں نمایاں وسعت آئی ہے، جہاں روایتی خیراتی نظام کے ساتھ ساتھ غیر سرکاری تنظیمیں، کمیونٹی بیسڈ نیٹ ورکس اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز سماجی تعاون کے نئے ذرائع کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ تاہم اس وسعت کے باوجود ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ یہ سرگرمیاں اکثر غیر مربوط، وقتی اور محدود اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، شفافیت کے فقدان، اور طویل المدتی حکمتِ عملی کی کمی جیسے مسائل ان کی مؤثریت کو کم کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی ایک ایسے منظم اور مربوط نظام کی صورت میں سامنے آتی ہے جس میں اصول، نظم اور تسلسل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہی فرق معاصر نظام اور نبوی ماڈل کے درمیان نمایاں امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔

پاکستانی معاشرہ اس تناظر میں ایک منفرد صورتحال پیش کرتا ہے، جہاں ایک طرف انفرادی سطح پر سخاوت، خیرات اور ہمدردی کا جذبہ مضبوط ہے، جبکہ دوسری طرف ان سرگرمیوں کو ایک مؤثر اور پائیدار نظام میں تبدیل کرنے کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ مختلف فلاحی ادارے اور تنظیمیں اپنی جگہ اہم کردار ادا کر رہی ہیں، مگر ان کے درمیان ربط کی کمی اور ادارہ جاتی ہم آہنگی کے فقدان کے باعث مجموعی اثر محدود رہتا ہے۔ اس صورتحال میں سیرتِ نبوی ﷺ سے اخذ کردہ اصول ایک ایسا فکری اور عملی فریم ورک فراہم کرتے ہیں جس کے ذریعے ان بکھری ہوئی کوششوں کو ایک مربوط نظام میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

تاہم یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ موجودہ نظام کئی بنیادی کمزوریوں کا شکار ہے، جو اس کی مؤثریت کو محدود کر دیتی ہیں۔

سب سے نمایاں مسئلہ وسائل کی منصفانہ تقسیم سے متعلق ہے۔ موجودہ فلاحی ڈھانچے میں یہ بات اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ امدادی سرگرمیاں مخصوص طبقات یا علاقوں تک محدود رہتی ہیں، جس کے نتیجے میں حقیقی مستحقین اس دائرے سے باہر رہ جاتے ہیں۔ اس صورت حال کی ایک بڑی وجہ مستحقین کی درست شناخت کا فقدان اور ادارہ جاتی کمزوریاں ہیں۔ قرآن مجید نے اس مسئلے کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک اصولی ہدایت دی ہے: ﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾[۱۲]

یہ آیت اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ دولت کا ارتکاز محدود طبقے تک نہ رہے بلکہ اس کی گردش معاشرے کے مختلف طبقات تک پہنچے۔ سیرتِ نبوی ﷺ میں اس اصول کو ایک باقاعدہ نظام کے ذریعے نافذ کیا گیا، جس میں زکوٰۃ کے مصارف کو متعین کر کے امداد کے عمل کو بے سمت ہونے سے بچایا گیا۔[۱۳] اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وسائل کی منصفانہ تقسیم محض نیت کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک منظم نظام کی متقاضی ہے۔

دوسرا اہم چیلنج شفافیت اور اعتماد کا بحران ہے۔ جدید اداروں کے بارے میں عمومی تاثر یہ ہے کہ ان کے مالی معاملات اور وسائل کے استعمال میں وضاحت کا فقدان ہوتا ہے، جس سے عوامی اعتماد متاثر ہوتا ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ اس حوالے سے ایک واضح معیار فراہم کرتی ہے۔ ایک عامل زکوٰۃ کے واقعے میں جب اس نے بعض اموال کو ذاتی تحفہ قرار دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو ناپسند فرمایا اور اس کی وضاحت کی، جس سے یہ اصول سامنے آیا کہ عوامی وسائل میں ذاتی مفاد کی آمیزش ناقابلِ قبول ہے۔[۱۴] اس واقعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شفافیت صرف انتظامی تقاضا نہیں بلکہ ایک اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ قرآن مجید بھی خیانت کے ہر پہلو کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾[۱۵] (بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)۔

اس طرح اسلامی تعلیمات میں اعتماد کی بنیاد دیانت اور جوابدہی پر رکھی گئی ہے۔

تیسرا پہلو پائیداری سے متعلق ہے، جو جدید امدادی نظام میں ایک بنیادی کمزوری کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اکثر امدادی سرگرمیاں ہنگامی نوعیت کی ہوتی ہیں، جو وقتی طور پر مسائل کو کم تو کر دیتی ہیں لیکن ان کے مستقل حل میں مددگار ثابت نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کو اس انداز سے مرتب کیا گیا کہ وہ افراد کو خود کفالت کی طرف لے جائے۔ ایک معروف واقعے میں ایک ضرورت مند شخص کو محض مالی مدد دینے کے بجائے اسے کام کے قابل بنایا گیا، تاکہ وہ مستقل طور پر اپنی ضروریات پوری کر سکے۔[۱۶] اس مثال سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ امدادِ باہمی کا مقصد انحصار پیدا کرنا نہیں بلکہ خود مختاری کی راہ ہموار کرنا ہے۔

چوتھا پہلو اخلاقی بنیادوں کی کمزوری ہے، جو معاصر نظام میں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ امدادی سرگرمیاں اکثر ایک رسمی یا انتظامی عمل بن کر رہ جاتی ہیں، جن میں انسانی ہمدردی اور اخوت کا عنصر کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کے برعکس سیرتِ نبوی ﷺ میں باہمی تعاون کی بنیاد ایسے تعلق پر رکھی گئی ہے جس میں جذباتی اور اخلاقی وابستگی شامل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تعلق کو ایک جسم سے تشبیہ دی:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ[۱۷]

(مومنین کی باہمی محبت، رحم دلی اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کی مثال ایک جسم کی مانند ہے۔)

یہ تشبیہ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ معاشرتی ربط محض ظاہری نہیں بلکہ ایک گہری باطنی کیفیت پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ اصول بھی بیان کیا گیا کہ انسان اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔[۱۸] جس سے امدادِ باہمی ایک داخلی اخلاقی ذمہ داری کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ان تمام پہلوؤں کا مجموعی جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جدید امدادی نظام اگرچہ اپنے دائرہ کار اور وسائل کے اعتبار سے وسیع ہو چکا ہے، لیکن اس کی ساخت میں وہ توازن موجود نہیں جو سیرتِ نبوی ﷺ کے ماڈل میں پایا جاتا ہے۔ وہاں اخلاقی اصول، ادارہ جاتی نظم اور عملی حکمتِ عملی تینوں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط نظر آتے ہیں، جبکہ معاصر نظام میں یہ عناصر اکثر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ یہی فرق اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ کیوں جدید نظام اپنی تمام تر وسعت کے باوجود مطلوبہ نتائج فراہم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کے اصول: انتظامی و عملی تشکیل

سیرتِ نبوی ﷺ کا گہرائی سے مطالعہ یہ حقیقت سامنے لاتا ہے کہ اسلامی معاشرت میں تعاون کو محض اخلاقی ترغیب کی سطح پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ اسے ایک منضبط سماجی ڈھانچے میں تبدیل کیا گیا۔ اس ڈھانچے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مختلف النوع اصول ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو کر ایک متوازن نظام تشکیل دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر استحکام، توازن اور باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

اس نظام کا **پہلا قابلِ غور پہلو** سماجی انضمام (social integration) ہے، جس کے ذریعے مختلف پس منظر رکھنے والے افراد کو ایک مشترک وحدت میں تبدیل کیا گیا۔ مدینہ کی تشکیل کے ابتدائی مراحل میں یہ عمل واضح طور پر نظر آتا ہے، جہاں مختلف قبائل، معاشی طبقات اور مہاجر و مقامی عناصر کو ایک ایسی اجتماعی شناخت دی گئی جو محض نسب یا علاقہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ مشترک ذمہ داری پر قائم تھی۔ اس اقدام نے معاشرتی فاصلے کم کیے اور ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس میں تعاون ایک فطری رویہ بن گیا۔[۱۹]

دوسرا اصول ذمہ داری کی سطح بندی (graded responsibility) سے متعلق ہے۔ سیرت کے تناظر میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد پر ذمہ داری یکساں نہیں بلکہ اس کی حیثیت، وسائل اور صلاحیت کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ یہی مفہوم حدیثِ نبوی ﷺ میں یوں بیان ہوا ہے: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[۲۰]

اس اصول کے تحت قیادت، ادارے اور عام افراد سب اپنے اپنے دائرے میں جوابدہ ہیں، جس سے ایک ایسا نظام تشکیل پاتا ہے جہاں ذمہ داری منتشر ہونے کے بجائے منظم ہو جاتی ہے۔

تیسرا اصول وسائل کی گردش (circulation of resources) کا ہے، جو اسلامی معاشرت میں ایک بنیادی معاشی حکمتِ عملی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ مدنی ریاست میں اس امر کا خاص اہتمام کیا گیا کہ دولت ایک محدود طبقے تک مرتکز نہ رہے بلکہ مختلف طبقات کے درمیان متوازن انداز میں منتقل ہوتی رہے۔ قرآن مجید میں اس اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾[۲۱]

اس آیت کا عملی اطلاق اس صورت میں نظر آتا ہے کہ معاشی سرگرمیوں کو اس انداز سے منظم کیا گیا جس سے کمزور طبقات کو مستقل سہارا مل سکے، نہ کہ صرف عارضی ریلیف فراہم ہو۔

چوتھا اصول قربانی پر مبنی اشتراک (sacrifice-based cooperation) ہے، جس کی نمایاں جھلک مدنی معاشرے میں نظر آتی ہے۔ یہ اشتراک صرف وسائل کی تقسیم تک محدود نہیں بلکہ اس میں وقت، محنت اور مواقع کی شراکت بھی شامل تھی۔ انصار کے طرزِ عمل کو قرآن مجید نے جس انداز میں بیان کیا ہے، وہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ اجتماعی فلاح اسی وقت ممکن ہے جب افراد اپنی ذاتی ترجیحات کو اجتماعی مفاد کے تابع کر دیں۔ اس اصول کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ محض قانونی تقاضے سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ داخلی اخلاقی تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

پانچواں اصول ادارہ جاتی تنظیم (institutional organization) کا ہے، جس کے ذریعے امدادِ باہمی کو ایک باقاعدہ نظام کی صورت دی گئی۔ مدینہ کی ریاست میں فلاحی سرگرمیوں کو انفرادی کوششوں تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ ان کے لیے ایک منظم انتظامی ڈھانچہ قائم کیا گیا، جس میں وسائل کی وصولی، ان کی تقسیم اور مستحقین کی نشاندہی واضح اصولوں کے تحت انجام پاتی تھی۔ [۲۲]

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی ماڈل میں تنظیم اور نظم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ بغیر تنظیم کے تعاون کا عمل دیرپا نہیں رہتا۔ ان اصولوں کا مجموعی جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کا تصور ایک کثیر الجہتی (multi-dimensional) نظام کی صورت میں موجود ہے، جس میں اخلاق، معیشت اور معاشرت تینوں پہلو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ یہی جامعیت اسے ایک قابلِ عمل ماڈل بناتی ہے، جو مختلف زمانوں اور معاشرتی حالات میں رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں اطلاق کے عملی امکانات

اسی بنیاد پر امدادِ باہمی کا ایک **اطلاقی ماڈل** تین باہم مربوط سطحوں پر تشکیل دیا جا سکتا ہے، جو سیرتِ نبوی ﷺ کے عملی نمونوں سے ہم آہنگ بھی ہے اور معاصر ضروریات کے مطابق بھی ہے۔ اس ماڈل کی پہلی سطح **کمیونٹی سطح** ہے، جہاں معاشرتی تعلقات، محلہ جاتی روابط اور مقامی ادارے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہاں ضرورت مند افراد کی فوری شناخت، ابتدائی معاونت، اور باعزت شمولیت ممکن ہوتی ہے، جو کسی بھی فلاحی نظام کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

دوسری سطح **ادارہ جاتی (institutional) سطح** ہے، جہاں امدادِ باہمی کو منظم شکل دی جاتی ہے۔ اس سطح پر زکوۃ، صدقات، اوقاف اور جدید مالیاتی ذرائع کو ایک مربوط نظام میں شامل کیا جاتا ہے تاکہ وسائل کی شفاف تقسیم اور مستحقین تک مؤثر رسائی ممکن ہو سکے۔ اس ضمن میں **وقف** ایک دیرپا سماجی سرمایہ فراہم کرتا ہے، جبکہ **تکافل** جدید معاشی خطرات کے مقابلے میں باہمی تحفظ کا نظام پیش کرتا ہے، جس میں افراد مشترکہ ذمہ داری کے تحت ایک دوسرے کے لیے مالی تحفظ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس سطح پر شفافیت، احتساب اور ڈیٹا پر مبنی فیصلہ سازی کلیدی اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ یہی عناصر فلاحی نظام کی پائیداری کو یقینی بناتے ہیں۔

تیسری سطح **ریاستی سطح** ہے، جہاں امدادِ باہمی کو پالیسی اور قانون کے ذریعے ایک جامع فلاحی نظام میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ یہاں **بیت المال** کا تصور ایک مرکزی حیثیت اختیار کرتا ہے، جس کے ذریعے وسائل کی منصفانہ تقسیم، سماجی تحفظ، اور غربت کے خاتمے کے اقدامات کو منظم کیا جا سکتا ہے۔ ریاست کا کردار صرف وسائل فراہم کرنے تک محدود نہیں بلکہ ایک ایسا نظام قائم کرنا بھی ہے جس میں کمیونٹی اور ادارے مؤثر انداز میں کام کر سکیں اور ان کے درمیان ہم آہنگی برقرار رہے۔

ان تینوں سطحوں کے باہمی ربط سے ایک ایسا متوازن فلاحی نظام تشکیل پاتا ہے جس میں فوری امداد، منظم تقسیم، اور پائیدار ترقی تینوں عناصر یکجا ہو جاتے ہیں۔ اس ماڈل کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ نہ صرف نظری اصول فراہم کرتا ہے بلکہ عملی اطلاق کے واضح خطوط بھی متعین کرتا ہے، جس کے ذریعے معاصر معاشروں میں امدادِ باہمی کو ایک مؤثر سماجی و معاشی نظام میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

پاکستانی تناظر میں اس ماڈل کے نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ فلاحی سرگرمیوں کو ایک مشترکہ فریم ورک کے تحت منظم کیا جائے، جس میں زکوۃ اور صدقات کے نظام کو شفاف بنایا جائے، وقف کے ادارے کو فعال کیا جائے، اور تکافل جیسے جدید ذرائع کو فروغ دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے ایک ایسا ڈیٹا بیس قائم کیا جا سکتا ہے جس سے مستحقین کی درست شناخت اور وسائل کی منصفانہ تقسیم ممکن ہو سکے۔ اس طرح سیرتِ نبوی ﷺ سے اخذ کردہ اصول نہ صرف تاریخی اہمیت رکھتے ہیں بلکہ معاصر پاکستانی معاشرے کے

لیے ایک قابلِ عمل، پائیدار اور منصفانہ فلاحی نظام کی بنیاد بھی فراہم کرتے ہیں۔

اس حوالے سے معاصر محقق Monzer Kahf کا یہ تجزیہ قابلِ توجہ ہے کہ اسلامی مالیاتی نظام، اگر اسے اصولی بنیادوں پر نافذ کیا جائے، تو وہ معاشی عدم مساوات کو کم کرنے میں نمایاں کردار ادا کر سکتا ہے۔[۲۳]

اس رائے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سیرت میں موجود اصول صرف تاریخی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ جدید معاشی مسائل کے حل میں بھی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ڈیجیٹل دور میں امدادِ باہمی کے امکانات مزید بڑھ گئے ہیں، تاہم اس کے ساتھ احتساب اور شفافیت کو یقینی بنانا ناگزیر ہے۔ اس ضمن میں سیرتِ نبوی ﷺ کا اصولِ امانت ایک بنیادی رہنما کے طور پر سامنے آتا ہے، جو اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وسائل کا استعمال درست اور منصفانہ انداز میں ہو۔

آخر کار یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر امدادِ باہمی کے ان اصولوں کو پاکستانی معاشرے میں ایک مربوط حکمتِ عملی کے تحت نافذ کیا جائے تو نہ صرف موجودہ سماجی مسائل میں کمی لائی جا سکتی ہے بلکہ ایک ایسا متوازن معاشرہ بھی تشکیل دیا جا سکتا ہے جو پائیدار ترقی کی بنیاد فراہم کرے۔

امدادِ باہمی کا مقصد: بحالی، خود کفالت اور انسانی وقار

سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے ایک نہایت اہم اصول سامنے آتا ہے کہ امدادِ باہمی کو کبھی بھی اس انداز میں نہیں اپنایا گیا کہ وہ مستقل انحصار یا پیشہ ور محتاجی کو فروغ دے۔ اس کے برعکس نبوی حکمتِ عملی کا مرکزی ہدف یہ تھا کہ ضرورت مند افراد کو ایسے وسائل اور مواقع فراہم کیے جائیں جن کے ذریعے وہ اپنی معاشی اور سماجی حیثیت کو خود بہتر بنا سکیں۔ اس تناظر میں امداد کا مفہوم محض عطیہ یا خیرات تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ ایک ایسے عمل میں تبدیل ہو جاتا ہے جو فرد کی بحالی (rehabilitation) اور خود کفالت (self-reliance) کو یقینی بناتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں اس اصول کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ[۲۴] (بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہو۔)

یہ حدیث اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسلامی معاشرت میں فضیلت کا معیار محض انفرادی عبادت یا ظاہری مقام نہیں بلکہ دوسروں کے لیے عملی نفع رسانی ہے، اور یہی نفع رسانی امدادِ باہمی کی روح کو تشکیل دیتی ہے۔ اسی اصول کی عملی تعبیر اس واقعہ میں نظر آتی ہے جس میں ایک ضرورت مند شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے محض مالی مدد دینے کے بجائے اس کی موجودہ صلاحیتوں کو فعال بنایا، اس کے وسائل کو کارآمد شکل دی اور اسے محنت کے ذریعے روزگار کمانے کی ترغیب دی۔[۲۵]

اس واقعہ سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ امدادِ باہمی کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جس میں مدد اس انداز سے دی جائے کہ وہ مستقل انحصار کے بجائے خود مختاری کا ذریعہ بنے۔

اس تناظر میں سیرتِ نبوی ﷺ ایک اور بنیادی پہلو کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہے، اور وہ ہے انسانی وقار کا تحفظ۔ امداد فراہم کرتے وقت اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا کہ مستحق افراد کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو اور انہیں معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرت میں سوال کو پسندیدہ عمل نہیں سمجھا گیا بلکہ محنت، کسبِ حلال اور خود انحصاری کو ترجیح دی گئی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امدادِ باہمی کا مقصد صرف وقتی سہارا دینا نہیں بلکہ انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ عزت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکے۔

یہ اصول معاصر فلاحی نظاموں کے لیے بھی نہایت اہم رہنمائی فراہم کرتا ہے، کیونکہ جدید معاشروں میں اکثر امدادی سرگرمیاں ایسی صورت اختیار کر لیتی ہیں جو افراد کو مستقل طور پر انحصار کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس سیرتِ نبوی ﷺ ایک ایسا متوازن ماڈل

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

پیش کرتی ہے جس میں مدد، تربیت اور خود کفالت ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ یہی وہ نقطہ ہے جو امدادِ باہمی کو محض خیراتی سرگرمی سے بلند کر کے ایک پائیدار سماجی و معاشی حکمتِ عملی میں تبدیل کرتا ہے۔

امدادِ باہمی کا ارتقائی و ہمہ جہت ماڈل: بحالی سے سماجی تشکیل تک

سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ امدادِ باہمی کو کسی ایک محدود دائرے میں محصور نہیں رکھا گیا بلکہ اسے تدریجی انداز میں ایک ایسے ہمہ جہت نظام میں ڈھالا گیا جس میں فرد کی فوری ضرورت سے لے کر اس کی طویل المدتی بحالی اور سماجی کردار کی تشکیل تک تمام پہلو شامل ہیں۔ اس نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مدد کو محض ایک وقتی ردِ عمل کے طور پر نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسے ایک منظم عمل کے طور پر ترتیب دیا جاتا ہے جس کے ذریعے فرد کو دوبارہ معاشرتی دھارے میں فعال حیثیت کے ساتھ شامل کیا جا سکے۔

اس تناظر میں امدادِ باہمی کا پہلا مرحلہ ضرورت کی تکمیل سے متعلق ہے، جہاں فرد کی فوری مشکلات کا ازالہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ بنیادی سطح پر زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے۔ تاہم سیرتِ نبوی ﷺ کا امتیاز یہ ہے کہ یہ عمل اسی مقام پر رُک نہیں جاتا بلکہ اگلے مرحلے میں فرد کی بحالی (rehabilitation) اور خود کفالت کو یقینی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جو اسلامی فلاحی فکر کو محض خیراتی نظام سے ممتاز کرتا ہے، کیونکہ یہاں مدد کا مقصد محتاجی کو طول دینا نہیں بلکہ اس کا خاتمہ کرنا ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ ایک تیسرا مرحلہ بھی سامنے آتا ہے جس میں فرد کو معاشرے کے ایک فعال اور مؤثر رکن کے طور پر تشکیل دیا جاتا ہے۔ اس سطح پر امدادِ باہمی کا دائرہ صرف معاشی معاونت تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس میں اخلاقی تربیت، سماجی انضمام اور ذمہ داری کے احساس کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس طرح فرد نہ صرف اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہوتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی نفع بخش بن جاتا ہے۔

یہ تدریجی ماڈل اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کا نظام محض وسائل کی تقسیم تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل انسانی ترقیاتی عمل (human development process) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس ماڈل کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں فوری امداد، بحالی اور سماجی تشکیل—یہ تینوں مراحل ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک ایسا متوازن معاشرہ وجود میں آتا ہے جہاں افراد نہ صرف محفوظ ہوتے ہیں بلکہ باعزت اور فعال زندگی گزارنے کے قابل بھی ہوتے ہیں۔

معاصر پاکستانی تناظر میں اس ماڈل کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ یہاں امدادی سرگرمیاں اکثر پہلے مرحلے یعنی وقتی مدد تک محدود رہتی ہیں، جبکہ بحالی اور سماجی تشکیل کے مراحل کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر سیرتِ نبوی ﷺ کے اس تدریجی ماڈل کو اختیار کیا جائے تو امدادِ باہمی کو ایک ایسے مربوط نظام میں تبدیل کیا جا سکتا ہے جو نہ صرف غربت کے اثرات کو کم کرے بلکہ افراد کو خود کفیل اور معاشرے کا فعال حصہ بنانے میں بھی مددگار ثابت ہو۔

امدادِ باہمی کا اخروی شعور

سیرتِ نبوی ﷺ میں امدادِ باہمی کا ایک نہایت اہم اور امتیازی پہلو اس کا اخروی شعور سے گہرا تعلق ہے، جو اسے محض سماجی یا معاشی عمل کے بجائے ایک عبادت اور روحانی ذمہ داری کی حیثیت عطا کرتا ہے۔ اسلامی تصورِ تعاون کی بنیاد اس یقین پر قائم ہے کہ انسان کے اعمال صرف دنیاوی نتائج تک محدود نہیں بلکہ ان کا تعلق آخرت کی جزا و سزا سے بھی ہے، اور یہی شعور فرد کو مستقل اور خالص نیت کے ساتھ دوسروں کی مدد کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ﴾[۲۶]

(کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے تاکہ وہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے؟)

یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دوسروں کی مدد درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا اجر کئی گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے۔ اس تصور سے امدادِ باہمی کو ایک روحانی تحریک ملتی ہے، جو اسے وقتی یا نمائشی عمل بننے سے روکتی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ﴿وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ﴾[۲۷]

(اور تم جو بھی نیکی آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے۔)

یہ آیت اس اصول کو واضح کرتی ہے کہ انسانی تعاون کا حقیقی صلہ آخرت میں محفوظ ہوتا ہے، جو فرد کو اس عمل میں استقامت فراہم کرتا ہے۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی اس پہلو کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ[۲۸]

بیوہ اور مسکین کی کفالت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔

یہ حدیث اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ معاشرتی خدمت کو عبادت کے اعلیٰ درجے سے جوڑا گیا ہے، جس سے اس کی اہمیت اور اجر دونوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً... نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ[۲۹]

(جو شخص کسی مومن کی دنیا کی تکلیف دور کرے، اللہ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کرے گا۔)

یہ حدیث امدادِ باہمی کو براہِ راست آخرت کے ساتھ جوڑتی ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ عمل نہ صرف دنیاوی بلکہ اخروی فلاح کا ذریعہ بھی ہے۔

ان نصوص کا مجموعی تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی معاشرت میں امدادِ باہمی کو ایک ایسے محرک سے تقویت دی گئی ہے جو بیرونی دباؤ یا قانونی تقاضوں سے بالاتر ہے۔ اخروی جوابدہی کا شعور فرد کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد نہ صرف اس وقت کرے جب اس پر کوئی ذمہ داری عائد ہو، بلکہ اس وقت بھی کرے جب کوئی ظاہری تقاضا موجود نہ ہو۔ یہی اندرونی محرک اس نظام کو پائیداری اور تسلسل فراہم کرتا ہے۔

معاصر تناظر میں اس پہلو کی اہمیت اس لیے مزید بڑھ جاتی ہے کہ جدید فلاحی نظام اکثر قانونی یا معاشی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں، جبکہ ان میں اخلاقی و روحانی محرکات کی کمی پائی جاتی ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ اس خلا کو پورا کرتے ہوئے ایک ایسا ماڈل پیش کرتی ہے جس میں امدادِ باہمی کو نہ صرف سماجی ضرورت بلکہ ایک دائمی روحانی ذمہ داری کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہی امتزاج اس نظام کو دیرپا، مؤثر اور ہمہ گیر بناتا ہے۔

ادارہ جاتی امدادِ باہمی کی پائیداری: وقف اور تکافل کی تکمیلی جہت

سیرتِ نبوی ﷺ سے اخذ کردہ امدادِ باہمی کے نظام کا ایک اہم پہلو اس کی پائیداری اور تسلسل ہے، جو محض وقتی امداد تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایسے ذرائع پیدا کرتا ہے جن کے ذریعے فلاحی سرگرمیاں مستقل بنیادوں پر جاری رہ سکیں۔ اسی تناظر میں وقف کا ادارہ ایک منفرد اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے، جس کے ذریعے ذاتی ملکیت کو اجتماعی مفاد کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کے فوائد مسلسل معاشرے تک پہنچتے رہیں۔ اس تصور کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ فلاحی عمل کو وقتی عطیات کے بجائے مستقل وسائل سے وابستہ کیا جائے، جس سے معاشرے میں ایک دیرپا سماجی سرمایہ (social endowment) تشکیل پاتا ہے۔

احادیثِ نبوی ﷺ میں اس تصور کو "صدقۂ جاریہ" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ... صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ[30]

(جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے... ان میں ایک صدقہ ٔ جاریہ ہے۔)

یہ حدیث اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ امدادِ باہمی کو اس انداز سے منظم کیا جائے کہ اس کے اثرات وقتی نہ ہوں بلکہ طویل عرصے تک جاری رہیں۔

معاصر تناظر میں اسی اصول کی ایک عملی اور جدید صورت تکافل کے نظام میں نظر آتی ہے، جو باہمی ذمہ داری اور خطرات کی اجتماعی تقسیم پر مبنی ہے۔ تکافل کی بنیاد اس تصور پر قائم ہے کہ معاشرے کے افراد ایک مشترکہ فنڈ میں حصہ ڈال کر ایک دوسرے کے لیے تحفظ فراہم کریں، تاکہ کسی ایک فرد پر آنے والا مالی بوجھ اجتماعی طور پر برداشت کیا جا سکے۔ یہ نظام محض مالی معاونت نہیں بلکہ سماجی ذمہ داری کے شعور کو بھی فروغ دیتا ہے، کیونکہ اس میں ہر شریک فرد دوسروں کے لیے سہارا بن جاتا ہے۔

اگر اس تناظر میں وقف اور تکافل کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں ذرائع امدادِ باہمی کے دو مختلف مگر تکمیلی پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وقف ایک مستقل اور دیرپا مالی بنیاد فراہم کرتا ہے، جبکہ تکافل متغیر اور ہنگامی معاشی خطرات کے مقابلے میں فوری اور منظم تحفظ کا ذریعہ بنتا ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے ایک ایسا متوازن فلاحی نظام تشکیل پاتا ہے جو نہ صرف وسائل کی دستیابی کو یقینی بناتا ہے بلکہ ان کے مؤثر اور بروقت استعمال کو بھی ممکن بناتا ہے۔

پاکستانی معاشرے میں اس پہلو کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہاں فلاحی سرگرمیاں اکثر وقتی نوعیت کی ہوتی ہیں اور ان میں تسلسل کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اگر وقف کے ادارے کو جدید تقاضوں کے مطابق فعال اور شفاف بنایا جائے اور تکافل کے نظام کو وسیع سطح پر فروغ دیا جائے تو امدادِ باہمی کو ایک ایسے پائیدار اور منظم فریم ورک میں تبدیل کیا جا سکتا ہے جو نہ صرف موجودہ معاشی چیلنجز کا مؤثر جواب دے بلکہ طویل المدتی سماجی استحکام کو بھی یقینی بنائے۔

نتائج بحث و تجزیہ (Discussion)

اس تحقیق کے مختلف مباحث کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو یہ امر نمایاں ہوتا ہے کہ امدادِ باہمی کا اسلامی تصور ایک ایسا مربوط نظام تشکیل دیتا ہے جس میں اصول، عمل اور نتائج کے درمیان واضح ربط پایا جاتا ہے۔ اس ربط کی بنیاد یہ ہے کہ سماجی تعاون کو محض وقتی ردِّ عمل کے بجائے ایک مستقل اجتماعی نظم کے طور پر اختیار کیا جائے۔ سیرتِ نبوی ﷺ میں یہی ترتیب ملتی ہے کہ پہلے فکری و اخلاقی اساس فراہم کی گئی، پھر اسے عملی صورت دی گئی، اور بالآخر اسے ایسے نظم میں ڈھالا گیا جس کے ذریعے معاشرتی توازن برقرار رکھا جا سکے۔

تحقیقی جائزے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ معاصر فلاحی ڈھانچوں میں اگرچہ وسائل اور اداروں کی وسعت موجود ہے، تاہم ان کی ساخت میں وہ داخلی ہم آہنگی نہیں جو ایک مؤثر نظام کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اکثر صورتوں میں منصوبہ بندی، عمل درآمد اور نتائج کے درمیان ربط کمزور رہتا ہے، جس کے باعث امدادی سرگرمیاں اپنی مکمل افادیت ظاہر نہیں کر پاتیں۔ اس کے برعکس سیرتِ نبوی ﷺ کا ماڈل ایک ایسے نظام کی مثال پیش کرتا ہے جس میں ہر جز دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتا ہے، اور اسی باہمی ربط کے نتیجے میں اجتماعی سطح پر استحکام پیدا ہوتا ہے۔

پاکستانی معاشرے کے تناظر میں یہ پہلو خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ یہاں امداد کا رجحان تو موجود ہے، لیکن اس کی تنظیم اور سمت متعین نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انفرادی سطح پر ہونے والی کوششیں مجموعی طور پر کسی بڑے سماجی اثر میں تبدیل نہیں ہو پاتیں۔ اس تحقیق سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ اگر انفرادی اقدامات کو ایک مربوط فریم ورک میں شامل کر دیا جائے تو یہی سرگرمیاں وسیع پیمانے پر مثبت نتائج پیدا کر سکتی

ہیں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ امدادِ باہمی کو ایک اجتماعی حکمتِ عملی کے طور پر دیکھا جائے، نہ کہ محض انفرادی نیکی کے طور پر۔

ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ معاصر دور میں ٹیکنالوجی نے سماجی تعاون کے نئے امکانات پیدا کیے ہیں، لیکن اس کے ساتھ اعتماد اور احتساب کے مسائل بھی سامنے آئے ہیں۔اگر جدید ذرائع کو اصولی بنیادوں کے ساتھ مربوط کیا جائے تو وہ امدادِ باہمی کے عمل کو زیادہ مؤثر اور شفاف بنا سکتے ہیں۔اس تناظر میں سیرتِ نبوی ﷺ کا وہ عملی نمونہ رہنمائی فراہم کرتا ہے جس میں وسائل کے استعمال اور تقسیم دونوں میں وضاحت اور ذمہ داری کو بنیادی اہمیت دی گئی۔

اس پورے تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ امدادِ باہمی کی کامیابی کا انحصار صرف وسائل کی دستیابی پر نہیں بلکہ اس کے نظم، تسلسل اور اصولی بنیاد پر ہے۔جب یہ تینوں عناصر ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو ایک ایسا نظام وجود میں آتا ہے جو نہ صرف فوری مسائل کا حل فراہم کرتا ہے بلکہ مستقبل کے لیے بھی استحکام کی بنیاد رکھتا ہے۔

نتائج وسفارشات(Conclusion & Recommendations)

اس تحقیقی مطالعہ کے نتیجے میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ میں موجود امدادِ باہمی کے اصول ایک ہمہ جہت سماجی و معاشی فریم ورک فراہم کرتے ہیں، جس کی بنیاد توازن، ربط اور ذمہ داری پر قائم ہے۔یہ فریم ورک اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسا ہے جو مختلف معاشرتی حالات میں قابلِ اطلاق رہتا ہے اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تحقیق سے یہ بھی سامنے آتا ہے کہ معاصر پاکستانی معاشرہ، اپنی موجودہ صورت میں، ان اصولوں سے جزوی طور پر فائدہ اٹھا رہا ہے، مگر ان کا مکمل اطلاق ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا۔اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ایک منظم اور مرحلہ وار حکمتِ عملی کی ضرورت ہے، جس کے ذریعے امدادِ باہمی کو ایک مربوط نظام میں تبدیل کیا جاسکے۔

اسی بنیاد پر درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

اوّل، امدادِ باہمی کو انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی سطح پر منظم کیا جائے، تاکہ مختلف کوششوں کو ایک مشترک سمت دی جاسکے اور ان کے اثرات کو وسیع کیا جاسکے۔

دوم، موجودہ مالیاتی وسائل خصوصاً زکوٰۃ اور صدقات کو ایسے نظام کے تحت لایا جائے جس میں شفافیت، ترتیب اور مؤثر تقسیم کو یقینی بنایا جاسکے، تاکہ یہ وسائل زیادہ سے زیادہ مستحقین تک پہنچ سکیں۔

سوم، معاشرتی سطح پر ذمہ داری کے شعور کو فروغ دینے کے لیے تعلیمی، مذہبی اور سماجی اداروں کو فعال کردار ادا کرنا چاہیے، تاکہ افراد میں اجتماعی کردار ادا کرنے کا رجحان مضبوط ہو۔

چہارم، جدید ٹیکنالوجی کو امدادِ باہمی کے نظام میں شامل کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ نگرانی اور احتساب کے ایسے طریقے بھی وضع کیے جائیں جو اعتماد کو برقرار رکھ سکیں۔

پنجم، ریاستی اور غیر ریاستی اداروں کے درمیان تعاون کو فروغ دیا جائے، تاکہ مختلف سطحوں پر ہونے والی کوششوں کو ایک مربوط فلاحی ڈھانچے میں تبدیل کیا جاسکے۔

آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر سیرتِ نبوی ﷺ کے پیش کردہ اصولوں کو موجودہ حالات کے مطابق منظم انداز میں نافذ کیا جائے تو ایک ایسا معاشرتی نظام تشکیل دیا جاسکتا ہے جو نہ صرف مسائل کے حل میں مؤثر ہو بلکہ مستقبل کے لیے ایک پائیدار بنیاد بھی فراہم کرے۔

☆☆☆☆☆

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حوالے

(۱) القرآن، سورۃ المائدہ، ۵:۲

(۲) یوسف القرضاوی، فقہ الزکاۃ، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۹، ج ۱، ص ۴۵۔

(۳) القرآن، سورۃ الحشر، ۵۹:۹۔

(۴) محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، بیروت: دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، ج ۱، ص ۱۷۶۔

(۵) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۴ ج ۱، ص ۵۰۳،

(۶) التوبہ ۹:۶۰

(۷) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲۔ ص ۳۶۷

(۸) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، لاہور: نفیس اکیڈمی، ج ۴، ص ۹۳

(۹) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۴: ۹۳۔

(۱۰) مسلم، صحیح مسلم، حدیث: ۲۶۹۹

(۱۱) مناوی، فیض القدیر، لاہور: مکتبہ علمیہ، ج ۳، ص ۴۸۱

(۱۲) القرآن، سورۃ الحشر ۵۹:۷،

(۱۳) القرآن، سورۃ التوبہ ۹:۶۰

(۱۴) امام بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث: ۷۱۷۴، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۷۔

(۱۵) القرآن، سورۃ الانفال ۸:۵۸

(۱۶) ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، حدیث: ۱۶۴۱، لاہور: دارالسلام، ۲۰۰۸

(۱۷) امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، حدیث: ۲۵۸۶

(۱۸) امام بخاری، صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث: ۱۳

(۱۹) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۵۰۱۔

(۲۰) امام بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث: ۷۱۳۸۔

(۲۱) القرآن، سورۃ الحشر ۵۹:۷۔

(۲۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۵۰۔

(23) Monzer Kahf, Islamic Economics: Principles and Analysis (Jeddah: IRTI, 2003), 112.

(۲۴) بیہقی، شعب الایمان، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳، ج ۶، ص ۱۱۷۔

(۲۵) ابو داؤد، سنن ابی داؤد، لاہور: دارالسلام، ۲۰۰۸، حدیث ۱۶۴۱۔

(۲۶) البقرہ ۲:۲۴۵

(۲۷) البقرہ ۲:۱۱۰

(۲۸) البخاری، صحیح البخاری، حدیث ۵۳۵۳۔

(۲۹) مسلم، صحیح مسلم، حدیث ۲۶۹۹۔

(۳۰) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، حدیث ۱۶۳۱

❖❖❖